اسلام کا قانون توقیت (وقت شماری) اور اُس کے مضمرات

جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف

اسلامی ہجری تقویم (کیلنڈر) کے مطابق سال کا آغاز یکم محرّم الحرام سے ہوتا ہے۔ مگر مقام صد افسوس ہے کہ سن عیسوی کے آغاز و افتتاح کے موقع پر تو پورا عالم (جس میں اسلامی ممالک بھی شامل ہیں) "سال نو مبارک" کے شور سے گونج اُٹھتا ہے، مگر جب ہمارے قومی اور ملی سال کا آغاز ہوتا ہے تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور یوں ہماری ملی تقویم پر یہ مصرعہ راست آتا ہے، کہ:

ع بر مزار ما غریباں نے چراغے و نے گلے

ہر سال محرّم الحرام کا مہینہ اپنے ساتھ نئی مسرتیں اور مژدۂ بہار نو لاتا ہے، مگر کوئی شخص اس سے یہ مسرتیں لینے آگے نہیں بڑھتا۔ صدیوں سے اس سے یہ اجنبیت اور بیگانگی روا رکھی جا رہی ہے اور یہ اپنوں میں ہوتے ہوئے بھی اجنبی ہے ... حالانکہ ... مسلمانوں کی تمام عبادتیں، جملہ رسوم و رواج، تمام تہوار اسی نظام الاوقات (Calender) سے وابستہ ہیں یہی نظام الاوقات محرم الحرام کے ہنگامے، عید میلاد النبی کا جشن، معراج اور شب برات جیسی پر مسرت اور پُر لطف محفلیں، رمضان المبارک کے رونق افروز اور ولولہ خیز مناظر، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جیسے پر مسرت تہوار اور حج جیسی سعادتیں لاتا ہے، مگر بایں ہمہ آج کے مسلمان کے لیے اس نظام الاوقات کی حیثیت اس حد تک اجنبی ہے کہ اگر کبھی اس کے سامنے "اسلامی تقویم" کا ذکر آ بھی جائے تو وہ یوں چونک اُٹھتا ہے گویا اس نے دنیا کی کوئی انوکھی بات سُن لی ہو ... اپنے اطوار و اقدار سے یہ بے مروتی اور اغیار کے طور

طریقوں سے یہ عشق ۔ غالباً ایسی ہی باتوں کو دیکھ کر علامہ اقبال کو کہنا پڑا تھا :

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ ، تو تمدّن میں ہنود
تم مسلماں ہو ، جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اولوالعزم اور جفاکش وجواں ہمت قومیں اپنا ماضی کبھی نہیں بھولتیں ، اس کے برعکس پست ہمت اور ضعیف الارادہ لوگ بہت جلد اپنی تاریخ بھلا بیٹھتے ہیں ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے خوب کہا ہے :

"جماعتوں اور قوموں کے ادبار و تنزّل کی ایک بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ جماعتی حافظے کا مزاج بالکل الٹ جاتا ہے ۔ جو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہوتی ہیں وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں ، کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں بلکہ ان کی یادآوری کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بھلانے کی کتنی ہی کوشش کی جائیں ، بھلائی نہیں جا سکتیں ۔ صدر اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کریں تو اسی حقیقت کی زیادہ واضح مثال ہمارے سامنے آجائے گی ۔ اس وقت ان کا حافظہ فقط وہی باتیں یاد رکھتا تھا جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لیے عبرت و موعظت تھی ۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنی چاہتا ہے جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لیے غفلت و اعراض ہے "[۱]

ارشاد باری ہے :

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

---

[۱] الہلال ، بابت ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء

السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط۔ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝[1]

اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ رات کی نشانی کو تاریک بنا دیا اور دن کو روشن، تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو اور برسوں کا شمار اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز کی بخوبی تفصیل کر دی ہے۔

قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق نظام لیل و نہار ہی دنیا کی مختلف تقویمات کی اساس و بنیاد ہے۔ خلاق ازل نے شب و روز کا نظام کچھ اس طرح بنایا اور تخلیق فرمایا ہے۔ کہ اس میں دیکھنے والی آنکھوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے عبرت و بصیرت کے ساتھ ساتھ رہنمائی اور درس زندگی کا بہت سا سامان موجود ہے۔ انسانوں نے جب سے دنیا کو اپنے قدموں سے پامال کیا ہے، اسی وقت سے "وقت شماری" یا تقویم کا سلسلہ جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ خود انسان کی طرح کیلنڈر سازی (یا تقویم سازی) کی تاریخ بہت قدیم ہے ان میں بعض تقویمات کا تعلق سورج سے تھا اور بعض کا چاند سے۔ چنانچہ انسانی زندگی کے ابتدائی دور میں، جسے عموماً "دور قبل از تاریخ Pre-historical age" کہا جاتا ہے، آشوریوں، بابلیوں، رومیوں، مصریوں وغیرہ نے کیلنڈر سازی میں شہرت حاصل کی۔ تاہم ان کی تقویمات میں دو خرابیاں سب سے نمایاں تھیں:

اولاً یہ کہ ان کے ہاں مبدء تاریخ (Calender- Era) واضح اور متعین نہ تھا، عموماً یہ لوگ، تخلیق کائنات، آفرینش آدم، طوفان نوح، وغیرہ سے وقت شماری کرتے تھے اور چونکہ ان واقعات کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک تعین نہ اس دور کے انسان کو تھا اور نہ آج کے انسان کو ہے؛ لہٰذا یوں وقت شماری میں ایک بنیادی قسم کی کمزوری راسخ ہو جاتی تھی، جو بالآخر ان تقویمات کی ناکامی پر منتج ہوئی۔

ثانیاً یہ کہ ان میں سے بیشتر اقوام کی تقویمات کا دار و مدار چاند یعنی قمری حساب پر تھا، مگر جوں جوں نجوم شناسی کو فروغ حاصل ہوتا رہا، "کبیسہ گری کی رسم قبیح جس کا ہم آئندہ ذکر کریں گے نے قمری نظاموں کی خوبیوں کو گہنا دیا۔ کیونکہ "کبیسہ گری" کے ذریعے یہ لوگ نظام قمری کو نظام شمسی

---

[1] بنی اسرائیل - ۱۲

سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کچھ سالوں کے بعد ایک آدھ گمنام سا مہینہ اس میں اضافہ کر دیتے تھے۔ اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدائے کائنات میں حضرت انسان نے تقویم سازی کا جو پہلا طریقہ سیکھا وہ قمری تھا، اور یہی بات قرآن حکیم میں یوں کہی گئی ہے:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ [۱]

(اے محمدؐ) لوگ تم سے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہدو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔

اس کی وجہ یا حکمت یہ بھی کہ "قمری" مدارج و منازل کی شناخت ہر انسان کے بس میں ہے، جبکہ سورج کی منازل اور اس کے مدارج کا علم ایک تجربہ اور شناخت چاہتا ہے جس کے لیے ابھی وقت درکار تھا۔

قومی تقویمات کا عمومی زندگی پر اثر

اس میں شاید ہی کوئی صاحب فراست شخص شبہ کر سکے کہ قومی تقویمات کسی بھی قوم کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، انہی کی بنیاد پر کسی قوم کے عروج و زوال اور اقبال و ادبار کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ صاحب "ترجمان القرآن" لکھتے ہیں:

"قومی سنہ در اصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہے، اس کے ذریعے قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا دور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے سن بھی رائج ہوئے سب کی بنیاد کسی ایسے واقعے پر نظر آتی ہے جس سے کسی قوم کی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش

---

[۱] البقرہ : ۱۸۹

سے ہوا ہے یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے یا کسی بڑی جنگ کی فتح سے
اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اسی لیے دنیا کے اکثر سنین کی ابتدا مشاہیر
واکابر کی پیدائش اور تخت نشینی سے ہی ہوتی ہے[1]

یہ بات محض ایک شاعرانہ تخیل ہی نہیں۔ بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔ اس لیے کہ تمام دنیا کی تقویمات اس قاعدے کلیے پر پورا اترتی ہیں، مثال کے طور پر بابلی سنہ کی ابتدا بخت نصر کی پیدائش پر رکھی گئی، کیونکہ اس اولوالعزم حکمران کی پیدائش سے بابل کی قوت و شوکت کا آغاز ہوا، رومیوں کا مشہور سنہ سنہ اسکندری ہے، جس کی ابتدا اسکندر مقدونی کی پیدائش سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کا مشہور سنہ بکرماجیتی ہے، جس کی ابتدا راجہ بکرماجیت کی تخت نشینی سے تسلیم کی گئی ہے۔ عیسائیوں کا سنہ جو بدقسمتی سے آج قریب قریب اکثر اسلامی ممالک میں بھی مروّج ہے، اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہی میلادی کہلاتا ہے۔ یعنی ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسٰی کی پیدائش ہوئی اور یکم جنوری سال نو کے آغاز کا نقطۂ مرکزی ہے۔ تاتاریوں نے اپنے قومی سنہ کی ابتدا حملۂ چنگیز خاں ۶۱۵ سے رکھی تھی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قومی زندگی پر قومی سنہ کا کیا اثر برآمد ہوتا ہے۔

اسلامی سن ہجری کا آغاز وارتقاء

اسلام کے نظام الاوقات پر تفصیلاً گفتگو سے پہلے اس امر کی وضاحت مناسب ہوگی کہ "اسلامی قانون توقیت یا نظام الاوقات" کے دو الگ الگ حصے اور شعبے ہیں:

۱۔ نظام ماہ و سال اور (سال شماری)

۲۔ نظام لیل و نہار۔ (رات دن کا نظام)۔

نظام ماہ و سال (سال شماری) کے پھر دو اہم شعبے ہیں:

۱۔ نظام شہور (مہینوں اور سالوں کا حساب)

۲۔ ہجری کیلنڈر یا مبدء تاریخ کا تعین۔

۱۔ نظام شہور (نظام ماہ و سال): اسلامی ہجری کیلنڈر میں ہر سال کے ۱۲ مہینے ہوتے ہیں۔ جن میں سے کوئی مہینہ ۲۹ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے اور کوئی تیس دنوں پر۔ اسکا مدار چاند کی رویت

(دیکھئے) یہ ہے۔ اس نظام کی تاسیس قرآن مجید کی واضح نصوص سے ہوئی ہے۔ مہینوں اور سالوں کا یہ قمری نظام الاوقات۔ اسلام سے پہلے بھی جزیرۂ عرب میں قائم تھا، مگر بہت سی خرابیوں سے دو چار تھا، جن میں سے ایک "نسئ" کی رسم تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ اہل عرب اس میں جب چاہتے اپنی مرضی کا کوئی مہینہ اضافہ یا کم کر دیتے تھے، مثال کے طور پر اگر ان کے ہاں کوئی جنگ جاری ہوتی اور اُدھر کوئی ایسا مہینہ طلوع ہونے والا ہوتا، جس میں جنگ جائز نہ سمجھی جاتی تھی، تو وہ بالاتفاق اس مہینے کو متاخر کر دیتے اور متاخر مہینے کو متقدم کر دیتے۔ اسی طرح اگر حج کا مہینہ ان کے کام کاج، کھیتی باڑی کے موسم میں طلوع کرتا تو وہ ذوالحجہ کے مہینے کے بجائے محرم کا مہینہ جاری کر دیتے اور ذوالحجہ کے مہینے کو ایک ماہ بعد شروع کرتے۔ یا ہر تین یا دو سالوں کے بعد ایک آدھ گمنام مہینہ بڑھا دیتے۔ اس قبیح رسم کو قرآن مجید نے سورۃ التوبہ میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے سختی سے منع کر دیا اور بارہ مہینوں پر مشتمل ایک آسان اور مربوط نظام امت کو عطا فرما دیا۔ جسے بدلنے اور موڑنے کا اختیار نہ کسی فرد کو حاصل ہے اور نہ کسی قوم کو۔ اس کا دوسرا مقصد عربوں کی یہ خواہش بھی تھی کہ ان کے قمری مہینے شمسی مہینوں کے مطابق رہیں۔ اور جیسا کہ معلوم ہے۔ ہر تین قمری سالوں میں شمسی سال کی نسبت سے ایک مہینے کا فرق پڑ جاتا ہے، اس فرق کو اہل عرب تین سال کے بعد ایک گمنام مہینے کا اضافہ کر کے نکال لیتے تھے۔ یوں اُس سال مہینوں کی تعداد بارہ کے بجائے تیرہ ہو جاتی اور قمری مہینے دوبارہ شمسی مہینوں سے ہم آہنگ ہو جاتے تھے۔ قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ارشادات اور احکامات کے ذریعے اس رسمِ بد کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔ اور سختی سے اس کی ممانعت کر دی۔ اس اعتبار سے مہینوں کا نظام اور سال کا نظام وہی ہے جسے تائید ایزدی اور تائید نبوی دونوں کا درجہ حاصل ہے۔

قرآن حکیم میں ارشادِ باری ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔

خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں (یعنی) اس روز (سے) کہ اس نے آسمانوں

اور زمین کو پیدا کیا کتاب خدا میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں۔ ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں، یہی دین (کا) سیدھا راستہ ہے۔

آگے مزید فرمایا:

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ؕ

امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کیے ہیں گنتی پوری کر لیں اور جو خدا نے منع کیا ہے اس کو جائز کر لیں۔

قرآن و سنہ کی ان واضح نصوص نے مسلمانوں کے کیلنڈر یا قانون "توقیت" کے لیے ایک بنیادی مسئلے کو حل کر دیا، اور وہ "ماہ و سال" کی تعیین کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ اسلام نے ہمیں جتنی عبادات اور تہوار دیے ہیں۔ ان سب کا تعلق اسی "قانون توقیت" سے ہے البتہ مبدء تاریخ کا مسئلہ ابھی حل طلب تھا، جسے بعد میں صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد اور اجماع کے ذریعے حل کیا۔

۲۔ ہجری کیلنڈر یا مبدء تاریخ کا تعین

البتہ بعد کے ادوار میں جس چیز کو صحابہ کرامؓ کے اجماع و اجتہاد سے اختیار کیا گیا وہ واقعۂ ہجرت کو بطور مبدء سن (Calender Era) اپنانے کا مسئلہ تھا۔

اسلام سے پہلے اور اسلام کے ابتدائی ادوار میں کوئی خاص واقعہ اس مقصد کے لیے متعین نہ تھا، اور چونکہ عربوں کی زندگی خود بھی کچھ زیادہ مدون و مربوط نہ تھی، اس لیے قومی سطح پر ایسے کسی واقعے کا علم نہیں ہوتا، جو تمام عربوں کے یہاں بطور سنہ کے اختیار کر لیا گیا ہو۔ جو علاقے نسبتاً رومی حکومت کے قریب تھے، مثلاً شام، فلسطین اور اردن وغیرہ وہاں قبطی یا رومی

ل التوبہ : ۳۷

سنہ وغیرہ رائج تھے۔ تاہم وسطی عرب میں معاملہ بالکل مختلف تھا۔ یہاں ایک واقعہ صرف چند سال کے لیے مبدء تاریخ کا کام دیتا تھا، مثلاً حملہ اصحاب الفیل سے جو سن شروع ہوا اور جسے عام الفیل ۱، ۲، وغیرہ نام دیا، سے موسوم کیا جاتا تھا، زیادہ سالوں تک برقرار نہ رہ سکا۔ تعمیر خانہ کعبہ، اعلان نبوت، نزولِ قرآن، ہجرت مدینہ، اذنِ قتال، واقعۂ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب، سال حجۃ الوداع، عام الوفود وغیرہ سب اس نوعیت کے واقعات تھے، جن پر زیادہ دیر تک انقلاب پذیر دنیا کی توجہ مبذول نہ رہ سکی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ان واقعات کو قومی اور ملی سطح پر اپنانے کا کوئی فیصلہ اجتماعی طور پر نہیں کیا جا سکا تھا۔ روزمرّہ کی زندگی جس ڈگر پر چل رہی تھی اس میں کبھی کوئی ستارہ ابھر آتا تھا اور کبھی کوئی۔ اس مقصد کے لیے اسلامی تاریخ ابھی اسلام کے بطل جلیل سیّدنا فاروق اعظمؓ کے فیصلے کی منتظر تھی۔

قومی سنہ کی ضرورت کا احساس

مؤرخین نے وہ واقعات بھی بلا کم و کاست بیان کر دیے ہیں، جن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کونسے اسباب و علل تھے، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کو قومی اور ملی "مبدء تاریخ" کی ضرورت کا احساس بیدار ہوا، اس ضمن میں سب سے مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے، جسے تمام مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کے سامنے ایک سرکاری کاغذ پیش ہوا۔ جس پر تاریخ شعبان لکھی تھی۔ آپ نے فرمایا: کون سا شعبان؟ آیا۔ سال رواں کا یا آئندہ برس کا۔ پھر آپ نے تمام صحابہؓ کو مشاورت کے لیے جمع کیا اور فرمایا: اب حکومت کے وسائل بہت بڑھ گئے ہیں اور ہم جو کچھ تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہو جاتا، تو اس لیے ہم اوقات شماری کا تعین کس طرح کریں۔ لوگوں نے کہا کہ اس ضمن میں ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیئے چنانچہ ہرمزان کو بلا کر پوچھا گیا۔ اس نے بتایا کہ ان کے ہاں ایک سنہ رائج ہے۔ جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ جسے بگاڑ کر مورخ کر لیا گیا، پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کے لیے جو تقویم اختیار کی جائے اس کی ابتدا کب سے ہو، سب نے بالاتفاق واقعۂ ہجرت کو اختیار کرنے مشورہ دیا، چنانچہ

ہجرت مبدءِ تاریخ قرار پائی [۱]

بعض دیگر روایات بھی ہیں ،" مگر ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ صحابہ کرام کو اس زمانے میں بڑی شدت سے اپنا قومی سنہ جاری کرنے کا احساس پیدا ہوا ، ایسی سنہ جو صرف ان کی ہو ، ان کے کسی قومی اور ملی واقعے کی یاد تازہ کرتی ہو ، ایسا واقعہ جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جانے کے قابل ہو ۔ اس ضمن میں مختلف مشورے دیے گئے ۔ کسی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیدائش سے سن شروع کیا جائے ۔ کسی نے آغاز نبوت سے سنہ شروع کرنے کا عندیہ ظاہر کیا اور کسی نے وفات نبوی وغیرہ کا اشارہ دیا ، مگر باب علم نبوت سیدنا علی نے واقعۂ ہجرت کو بطور آغاز تاریخ اپنانے کا مشورہ دیا ، جبکہ حضرت عثمان رضؓ کے مشورے پر سال کے آغاز کے لیے یکم محرم الحرام ہی کو اساس ٹھہرایا گیا ، چنانچہ تمام صحابہ کرام نے بالاتفاق اس رائے کو پسند کیا اور اسی سے وقت شماری شروع ہوئی ۔ یہ ۱۶ھ کا واقعہ ہے ۔

یہاں دو باتیں خاص طور پر لائق توجہ ہیں :

اولاً یہ کہ جب عرب کے نواحی علاقوں میں مختلف سنین رائج تھے ، اور یہ سنین نسبتاً ترقی یافتہ بھی تھے تو پھر صحابہ کرام رضؓ نے ان تمام سنین کو چھوڑ کر اپنا ایک الگ سنہ رائج کرنے کی کیوں ضرورت محسوس کی ۔

بظاہر یہ بات معمولی نظر آتی ہے اور خاص طور پر ہم جیسے کمزور عقیدہ اور ضعیف العمل لوگوں کے لیے تو اس میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا ۔ وقت شماری ہی کرنی ہے ۔ جیسا کہ فی الوقت ہمیں عملاً پاکستان اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں یہی صورت حال نظر آتی ہے کہ ہمارے ہاں عیسائیوں کا کیلنڈر قومی کیلنڈر کی شکل اختیار کر چکا ہے ۔ لیکن قومی اور ملی جذبے سے سوچیے تو آپ کو صحابہ کرام رضؓ کے جذبات کی دھڑکن ضرور محسوس ہو سکے گی ۔ آخر اپنی اور بیگانی چیزیں ، خریدی ہوئی اور عاریۃً مانگی ہوئی شئی میں کچھ تو فرق ہوتا ہے اور پھر سوچیے کہ مانگنے کون نکلتا ہے ؟ وہی جس کا اپنا کشکول خالی ہو ، جس کے اپنے گھر میں خاک اڑتی ہو اور جس کا

---

[۱] : الخطط ، جلد دوم : الذہبی : تاریخ کبیر

مانگنے کی ذلت اٹھائے بغیر گزران مشکل ہو اور شریف آدمی مرجانا تو گوارہ کرلیتا ہے، مگر مانگنا گوارہ نہیں کرسکتا۔ اب ذرا سوچیئے کہ اگر مسلمان ایک ملت، ایک قوم ایک مذہب ہوکر عیسائی یا رومی تقویم اپنا لیتے اور وہ اپنے قومی اور ملی اہمیت کے واقعات کے بجائے عیسائیوں، یہودیوں یا رومیوں کی فتح مندیوں یا ان کے قومی ابطال کی پیدائش سے وقت شماری کرتے تو مہذب دنیا میں کیا اس کا یہ اثر نہ لیا جاتا کہ معاذ اللہ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے ہی خالی ہے، جسے بطور کیلنڈر کے اختیار کیا جاسکتا ہو؟

مولانا ابوالکلام آزاد رقمطراز ہیں:

"قومی زندگی کی بنیادی مقومات میں ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے، جو قوم اپنا سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کردیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں، لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بڑھتی رہتی ہے، آج آگسٹس Augustus بکرماجیت، جلال الدین، ملک شاہ اور اکبر اعظم کے نام ان کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہمارا حافظہ ان سے گردن نہیں موڑ سکتا۔"

دوسرا قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی تقویم کے لیے واقعہ ہجرت کو آخر کیوں منتخب کیا گیا اور اس ضمن میں دیگر اقوام عالم میں جاری قانون کی کیوں عمداً خلاف ورزی کی گئی؟ صاحب الہلال اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تاریخ (اسلام) کا یہ مبدا دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا بلکہ صریح الٹا تھا، دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انہوں نے بیچارگی اور درماندگی کے واقعے سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام

قوموں نے چاہا کہ اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اور یہ کہ ان کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہو جب ان کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اس نے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اس دن سے ہوئی جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دنیا کی تمام قوموں کو یقین تھا کہ ان کی طاقت و شوکت کی بنیاد اس وقت پڑی جب انہوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اس دن کھلا جب ملکوں پر انہوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا وطن بھی ترک کر دیا۔ بلا شبہ ان کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں کی سمجھ سے الٹی تھی لیکن اس سمجھ کے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہتے تھے"۔

واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کی زندگی دو اہم حصّوں اور شعبوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پہلا حصّہ مکی اور دوسرا مدنی کہلاتا ہے۔ پہلے حصّے میں نخل اسلام کی تخم ریزی اور آبیاری ہوئی جبکہ دوسرے حصّے میں فصل پک کر تیار ہوئی۔ دوسرا حصّہ اگرچہ قوت و شوکت کا حصّہ تھا، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کے لیے ضروری استعداد اور صلاحیت پہلے حصّہ زندگی میں پیدا ہوئی تھی۔ اس دوسرے دور میں اسلام کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کا جو بھی غلغلہ پیدا ہوا واقعہ ہجرت نے ہی اس کے لیے زمین تیار کی تھی اس لیے واقعہ ہجرت ہی وہ واحد واقعہ ہے جو سیرت نبوی میں ہجری تقویم کی بنیاد و اساس کا کام دے سکتا ہے"۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں، واقعہ ہجرت سے پہلے:

۱۔ مسلمان مظلوم تھے اور کرہ ارضی میں کہیں ان کے لیے جائے پناہ نہ تھی۔
۲۔ مسلمانوں کو اپنے نظریے اور قانون کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی نہ تھی۔
۳۔ مسلمانوں کے پاس کوئی مرکز (Headquarter) نہ تھا۔
۴۔ ان کے پاس کوئی حکومت (State) نہ تھی۔
۵۔ مسلمان دوسرے مسلمانوں کی مدد کرنے سے قاصر تھے۔

۶ ۔ مکہ مکرمہ سے باہر تبلیغ و دعوت کا کوئی مربوط سلسلہ نہ تھا ۔
مگر ہجرت کے بعد جو انقلاب آیا اس سے حسب ذیل نتائج کھل کر سامنے آ گئے ۔
۱ ۔ مسلمانوں کو ایک آزاد، خود مختار مملکت (مدینہ) مل گئی، جہاں کے قائد و امام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے ۔
۲ ۔ یہ مرکز مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز قرار پایا ۔
۳ ۔ مسلمان اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تلوار اٹھانے کے قابل ہوئے اور ان کی تمام منتشر قوتیں ایک وحدت میں منسلک ہو کر دنیائے کفر کے خلاف مؤثر طور پر فتح مند ہونے لگیں ۔
۴ ۔ اس مرکز سے دنیا بھر کے لوگوں کو اسلام کی دعوت ملی ۔
۵ ۔ مسلمانوں کو اپنی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ملی ۔
۶ ۔ اس مرکز میں ایک طرف نو مسلموں کی تربیت و پرداخت کا حسن انتظام تھا اور دوسری طرف آزمودہ اور پختہ کار صحابہ کو بطور مبلغ اور معلم فرائض سونپے جاتے تھے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

انہی وجوہ کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تنہا ہجرت کا واقعہ بہت سے دیگر واقعات کا باعث اور سبب بنا ۔ اسلام کی تمام فتح مندیاں اور کامرانیاں اسی ایک واقعے میں مضمر تھیں یہی واقعہ فتح بدر، فتح احد اور فتح مکہ اور فتح قلوب کا باعث بنا اسی لیے صحابہ کرامؓ کے حساس قلوب نے اسی واقعے سے اپنی تاریخ شروع کرنے کا برحق فیصلہ صادر کیا ۔

ہجری تقویم کی مصالح

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا ہجری تقویم، جسے اہل مغرب عموماً Muhammadan Calendar کہتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وضع کردہ اور ترتیب دادہ ہے اور جس کام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک نے منتخب کیا ہو اس کی خوبیاں اور مصلحتیں ناقص انسانی عقل کے احاطہ ادراک سے ماورای ہوتی ہیں ۔ تاہم محدود اور فکر نارسا نے جو کچھ اس عنوان سے سمجھا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱ ۔ اس کیلنڈر کا ادراک بڑا سادہ اور آسان ہے، کیونکہ چاند کی کمی بیشی سے مہینے کی تاریخوں کا تعین ایک عام آدمی بھی کر سکتا ہے، جبکہ شمسی نظاموں میں کافی علم و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے ۔
۲ ۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جس کی جملہ عبادات تمام دنیا کے انسانوں کے لیے یکساں

ہیں۔ یہ مقصد صرف ہجری یعنی قمری تقویم سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اس نظام سے ساری دنیا میں عبادات مختلف موسموں میں آتی ہیں۔ لیکن اگر نظام شمسی کو مدار ٹھہرایا جائے اور مثلاً فرض کیجئے رمضان المبارک کا مہینہ دسمبر کے مطابق ہے تو دسمبر کا مہینہ خط استوا کے شمال کی طرف واقع ممالک میں سخت سردی کے موسم میں آتا ہے اور خط استوا سے جنوبی علاقوں میں سخت گرمی کے زمانے میں منطقہ باردہ والوں کے لیے گرمی کا موسم خوشگوار ہوتا ہے اور سردیاں تکلیف دہ ہوتی ہیں تو منطقہ حارہ میں گرمیاں بارِ خاطر ہوتی ہیں اور اگر ساری عمر رمضان المبارک بعض ملکوں میں ناقابل برداشت موسموں میں آتا اور بعض میں خوشگوار موسموں میں تو یہ دین حنیف کی طرف سے ان لوگوں پر بہت بڑی زیادتی ہوتی۔ اسکے برخلاف موجودہ صورت میں ساری دنیا میں ہی رمضان بدل بدل کر موسم بہار، خزاں، گرما و سرما وغیرہ میں آتا رہتا ہے اور کسی خاص خطے والوں کو شکایت نہیں ہوتی۔

۳۔ اس میں ہر قسم کے موسم اور موقع کے مطابق تربیت اور آزمائش کا پہلو بھی بڑی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تاکہ دین کا دفاع کرنے والی مسلمان فوج کو ہر قسم کے موسموں میں بھوکے اور پیاسے رہنے کی تربیت ملتی رہے۔

۴۔ اس کے مالی اور مادی فائدے بھی ہیں۔ ہجری تقویم سے ۳۳ شمسی سالوں میں، ۳۴ قمری سال ہوتے ہیں۔ یعنی ۳۳ سالوں میں محکمہ مالیات تقریباً ۳۴ مرتبہ اس طرح محاصل وصول کرتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور ملازمین ۳۳ سالوں میں (۱۲×۳۳) ۳۹۶ کی جگہ (۱۲×۳۴) ۴۰۸ مرتبہ تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ سارے محاصل ایک ہی وقت میں وصول نہیں کیے جاتے زراعتی محاصل شمسی حساب سے اور دیگر محاصل قمری حساب سے وصول کئے جاتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے خزانے کبھی خالی نہیں ہوتے اور اسے مالی سال کے اختتام پر مختصر مدت والے ڈبنچر جاری کر کے، مغربی ممالک کی طرح سود پر قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۵۔ اس نظام میں سب سے بڑی خوبی ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے یہ ہے کہ یہ نظام الاوقات خود ان کا اپنا ہے اور اس پر کسی غیر کی چھاپ نہیں لگی۔

سنہ ہجری کی خصوصیات

مناسب ہوگا کہ بحث ختم کرنے سے پہلے اس نظام کی خصوصیات کا بھی ذکر آجائے، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ سنہ خالص قمری ہے قمری ہجری سال ۳۵۴ دن سے کم اور ۳۵۵ دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا یہ سنہ جولین پیریڈ کے ۴۳۹ ر ۴۸ ر ۱۹ دن گذرنے کے بعد شروع ہوا۔

۲۔ اہل ہئیت رویت سے قطع نظر کر کے قمری ماہ کو دو اقسام پر تقسیم کرتے ہیں: حقیقی: چاند کی اسی خاص حالت سے دوبارہ اسی حالت کے لوٹنے تک[۱] اصطلاحی جب چاند کی حرکتوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو اس کی متوسط حرکت کا اعتبار کرتے ہیں، جو جدید زیج میں ۲۹ دن، ۱۲ گھنٹے اور ۴۴ دقیقے ہے، ضابطہ یہ ہے کہ جو کسر نصف سے بڑھ جائے اسے پوری شمار کرتے ہیں، چنانچہ اعتباری طور پر اگر محرم کو ۳۰ کا نکالیں گے تو صفر کو ۲۹ دن کا۔ ان مہینوں سے قمری سال وجود میں آتا ہے جس کی اوسط تعداد ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے، اور ۴۸ سیکنڈ (دقیقہ) ہے شمسی لحاظ سے ہر قمری ہجری سال ۱۰ دن، ۲۱ گھنٹے اور ۱۲ منٹ کم ہوتا ہے۔

۳۔ ہجری قمری سال کی ابتدا یکم محرم الحرام ۱ھ/۱۶ جولائی ۶۲۲ء / ۳ آب ۴۳۸۲ عبری، ۲۶ ساون ۶۷۹ سمت سے ہوئی اور عہد فاروقی میں پہلی مرتبہ استعمال ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۷ھ/۱۲ جولائی ۶۳۸ء کو ہوا۔

۴۔ سن ہجری شروع سے آج تک مجوزہ صورت پر چلا آتا ہے، جبکہ دنیا کے تمام سن بار بار تبدیل کیے گئے، اور ان میں رد و بدل کیا گیا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ سن ہجری دنیا کا قدیم ترین سنہ ہے، جو سب سے پہلے وضع ہوا اور آج تک باقی ہے، دیگر سنین اگرچہ بظاہر اسلام سے پہلے کے نظر آتے ہیں مگر امر واقعہ یہ ہے کہ یہ سب ہجری سنہ سے بعد میں وضع ہوئے، مولانا قاضی سلیمان سلمان منصور پوری فرماتے ہیں:

ا۔ جولین پریڈ کا سنہ بظاہر سنہ ہجری سے ۵۳۳۴ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سنہ ہجری سن سے ۹۸۹ سال بعد یعنی ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا۔

ب۔ سنہ عبرانی کے مطابق یکم محرم سنہ ۱ھ کے دن ۳ آب ۴۳۸۲ عبری تھا، اس لیے بظاہر یہ سنہ ہجری سے ۴۳۸۱ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر در اصل یہ سنہ ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے[۲]

---

[۱] قاضی سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعلمین، ۳: ۱۳۵۱

[۲] دیکھیے Encyclopedia of Britannica، مقالہ: Calendar

ج ۔ سنہ کل جگ سنہ ہجری سے ۳،۷۲۳ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، مگر یورپین مؤرخ اور ہئیت دان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سنہ چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا یعنی اپنے حساب سے ۳۴ صدیاں گزرنے کے بعد اس کا نام عالم وجود میں لایا گیا تھا۔

د ۔ سنہ سکندری ۹۳۲ سال پہلے کا ہے، مگر اپنی موجودہ ہئیت میں نوزائیدہ ہے، کیونکہ شروع میں یہ کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا اور اب اسے شمسی مہینوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

ھ ۔ سمت بروشٹہ کے مطابق یکم محرم سنہ ۱ھ کے دن ۲۶ ساون سمت ۶۷۹ تھا، اس لیے بظاہر سمت بروشٹہ سنہ ہجری سے ۶۸۰ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہندو اور یورپین مؤرخ تسلیم کرتے ہیں کہ سمت ۸۹۰ بروسۂ سب سے پہلا سال ہے، جو سمت بروشٹہ کے نام موسوم ہوا جو ۲۳ جمادی الاوّل ۲۲۶ھ کے مطابق ہے گویا سنہ ہجری کے ۲۳۵ سال بعد شروع ہوا۔

و ۔ سنہ عیسوی بظاہر ۶۲۲ سال ہجری سنہ سے متقدم ہے، مگر زمانہ حال کے یورپین محققین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کی ولادت اس سنہ سے ۴ سال پہلے کی ہے، تاریخی طور پر سنہ عیسوی کا سب سے پہلی دفعہ لکھا جانا ۷۴۸ھ/ بمطابق ۱۳۰۱ھ کو ہوا۔ اور اٹھارہویں صدی تک اس میں اصطلاحات جاری رہیں۔ جو اس کے مختلف ناموں سے بخوبی ظاہر ہیں۔

بہر حال یہ بات بخوبی واضح ہے کہ اپنی وضع و تدوین کے اعتبار سے سنہ ہجری سب سے قدیم سنہ ہے۔ ۵۰۶ مسلسل ۴ ماہ ۳۰، ۳۰ کے اور ۳ ماہ ۲۹، ۲۹ کے آسکتے ہیں۔

۲۔ نظام لیل و نہار

اب ہم اسلامی نظام الاوقات کے دوسرے حصّے کی طرف آتے ہیں جو رات دن کے نظام سے متعلق ہے۔ اس نظام کا دارومدار شمسی حرکت پر ہے، اور اس کے تحت نماز پنجگانہ، روزہ، حج، اور اس جیسی دیگر اہم عبادتیں اور فرائض ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے نماز کے فرائض (شرائط) میں سے ایک اہم رکن "وقت کا پہچاننا" بھی ہے۔ مگر یاد رکھیے یہ اسلامی نظام الاوقات ہمارے دفتروں اور گھروں میں رائج الوقت گرینچ ٹائم (Greenwich Time) سے بہت سے امور میں مختلف ہے تفصیل حسب ذیل ہے:

لہ رحمۃ للعالمین، ۲ : ۳۵۹ - ۳۶۰،

۱۔ گرینج ٹائم میں نصف شب سے تاریخ بدلتی ہے اور نصف شب تک کا وقت پچھلی تاریخ کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ جبکہ اسلامی تصور کے مطابق نئی تاریخ غروب آفتاب سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور رات کا اگلے دن کی تاریخ سے تعلق ہوتا ہے، یعنی رات پہلے آتی ہے، اور دن بعد میں۔

۲۔ گرینج ٹائم غیر مبدل ہے۔ موسم اور وقت کی تبدیلی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی، اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ وقت ایک غیر مبدل (Unchangeable) حقیقت ہے جبکہ اسلامی تصورات کے مطابق وقت ایک تبدیل پذیر (changeable -) حقیقت ہے جو غروب وطلوع کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے، جس میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ انسان اور تمام انسانی دنیا زوال پذیر ہیں اور ہر روز تبدیل ہو رہے ہیں۔

۳۔ اسلامی نظام الاوقات قدرتی اور فطری (Natural) قانون قدرت پر دارومدار رکھتا ہے اور موسم کے مطابق اس میں تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور اسے ہر شخص خواہ وہ ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا جان سکتا ہے۔ جبکہ گرینج ٹائم غیر فطری (Artificial) ہے اور اس کا ادراک علم و بصیرت پر منحصر ہے اور جسے ان پڑھ شخص کے لیے پہچاننا مشکل ہے۔

۴۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایٹمی جنگ ہو اور اس میں تمام دنیا کی ہلاکت واقع ہو جائے اور ہر قسم کی مشینیں بشمول گھڑیاں بھی فنا ہو جائیں تو گرینج ٹائم کا پہچاننا ناممکن ہو جائے گا جبکہ اسلامی اوقات کو پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

۵۔ اس کے علاوہ اس ٹائم کے مطابق نمازوں کے اوقات کو چند دنوں کے بعد بدلنے کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ اس میں گھڑی کے ذریعے تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔

مسلم حکومتوں کے زمانۂ عروج میں جن شمسی گھڑیوں کا ذکر آتا ہے وہ گھڑیاں زیادہ تر اسی انداز کے مطابق چلتی تھیں۔ ایسی گھڑیوں میں سے چند ایک کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۹۲ھ / ۸۰۷ء میں بادشاہ فرانس شارلیمان کو ایک ایسی ہی گھڑی ارسال کی تھی۔ یہ گھڑی ایسی عجیب وغریب تھی کہ تمام دربار فرانس حیرت زدہ ہو گیا۔ اس گھڑی میں بارہ دروازے تھے۔ جب گھنٹہ پورا ہو جاتا تو اس میں سے ایک دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور ایک مونگری جو تانبے کی بنی تھی جرس پر پڑتی تھی یہ دروازے کھلے رہتے تھے۔ اور جب ایک

دورہ پورا ہو جاتا تھا تو دروازوں سے بارہ سوار نکلتے تھے اور گھڑی کی پیشانی پر چکر لگاتے تھے[1]
اسی روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گھڑی کی ایجاد مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوئی۔

ہم چونکہ گرینچ ٹائم کے عادی ہو چکے ہیں اور یہی ٹائم اب ہماری زندگی پر محیط ہو چکا ہے۔ تاہم اس ٹائم کے ساتھ ساتھ اگر ہمارے مذہبی ٹائم کو مدنظر رکھیں تو عین قرین انصاف ہوگا۔

بہرحال اپنے کیلنڈر سے محبت کرنا بظاہر معمولی بات ہے، لیکن بعض معمولی باتیں بھی قومی اور ملی جذبہ بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ہماری قوم کو اپنی اور اپنے قومی اقدار و افکار کی قدر و منزلت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ ثم آمین۔

اجتہاد اور تبدیلی احکام
تالیف
مولانا مجیب اللہ ندوی

اصول اجتہاد۔ زمان و مکان اور احوال کی تبدیلی کے ساتھ احکام کی تبدیلی کے اصولوں پر ایک بسیط بحث۔

اسلامی اصول قانون سازی پر ایک معلومات افزاء کتاب۔

قیمت: ۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور

---

[1] شبلی نعمانی: مقالات، ۳: ۸۴-۸۷۔